مولانا ابو ریحان عبد الغفور

حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد کیا تھی؟

حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد کیا تھی؟ یزید کا ذاتی کردار یا اس کی ولیعہدی کا طریق کار؟ عام طور پر ان کے اس خروج کی بنیاد یزید کے ذاتی کردار یعنی اس کے فسق و فجور کو ہی بتایا جاتا ہے۔ ماسٹر محمد امین اکاڑوی صاحب بھی اسی قبیلہ سے ہیں۔ انہوں نے بھی یہی دعویٰ کیا اور اسی کو ثابت کرنے پر اپنا ایڑھی چوٹی کا سارا زور لگایا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور نہ تھا بلکہ انعقاد خلافت کا وہ طریق کار تھا جو اس کی ولیعہدی کیلئے اختیار کیا گیا تھا۔ (ادارہ)

شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمان جس باہمی خانہ جنگی اور آپس کی جس خونریزی سے گزرے تھے اس کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے اپنی ذاتی رائے سے نہیں★ بلکہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تحریک و تجویز سے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولیعہد بنایا تاکہ ان کے بعد اس مسئلہ پر مسلمانوں کی تلواریں جمل و صفین کیطرح پھر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام نہ ہونے پائیں۔ تقرر خلیفہ کے اس طریق کار سے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ صرف چار صحابہؓ نے اختلاف کیا۔ پانچواں نام حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ثبوت میں نہ تو ان کا کوئی قول و فعل تاریخ میں ملتا ہے اور نہ وہ ان مذکورہ چار صحابہؓ کے ساتھ ہی اس سلسلے میں کہیں نظر آتے ہیں۔

★ حضرت معاویہؓ کی اپنی ذاتی رائے اور سوچ تو حضرت عمرؓ کی طرح چھ حضرات پر مشتمل ایک مجلس بنانے کی تھی کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے، ان میں یزید کا نام اشارۃً و کنایتہً بھی شامل نہ تھا۔ چنانچہ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ مجھے، زیاد نے ایک کام سے حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا، جب میں اپنا کام نمٹا چکا تو میں نے عرض کی "یا امیر المومنین! آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا؟" آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا

"یکون بین جماعۃ

کہ میرے بعد خلافت ایک جماعت کے درمیان ہو گی۔" پھر خود ہی اس جماعت کے یہ نام گنائے۔ حضرت سعید بن العاصؓ، ۲۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ۔ ۳۔ حضرت حسن بن علیؓ۔ ۴۔ حضرت مروان بن حکمؓ۔ ۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (البدایۃ والنہایۃ ص ۸۵/ج ۸)

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

"امیر معاویہؓ کو ابتک اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانے کی تمنا کریں، مغیرۃ بن شعبہ سے یہ الفاظ سن کر پہلی مرتبہ ان کی توجہ اس طرف مائل ہوئی الخ"۔ (تاریخ اسلام از نجیب آبادی ص ۷، ۴۲/ج ۲)

لیکن ان چاروں یا پانچوں حضرات کا یہ اختلاف، ولیعہد کے ذاتی کردار سے متعلق نہ تھا۔ بلکہ ولیعہدی والے طریق کار سے متعلق تھا، ان کا کہنا یہ نہ تھا کہ ہم یزید کی بیعت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ فاسق و فاجر اور نالائق و نااہل ہے۔ بلکہ وہ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ ہمیں اس کی بیعت میں تامل اس لئے ہے کہ جس طریقے سے اس کو خلیفہ نامزد کیا گیا ہے سرے سے وہ طریقہ ہی غلط ہے، "ہر قلیتہ" و "کسرویہ" یعنی رومی و فارسی طریقہ ہے۔ چنانچہ جوں ہی ولیعہدی یزید کی بیعت کا حکم مدینہ منورہ پہنچا اور اس وقت کے گورنر مدینہ ---- مروان بن الحکم ---- نے مجمع عام میں لوگوں کو اس سے آگاہ کیا تو حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکرؓ نے چھوٹتے ہی جو نقطہ اعتراض اٹھایا وہ یزید کے ذاتی کردار یعنی اس کے فسق و عدل سے متعلق نہ تھا بلکہ خلافت کیلئے اس نامزدگی کے طریق کار سے متعلق تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

جعلتموها والله هر قلية وكسروية"

اور ایک روایتہ کے الفاظ ہیں۔

اجئتم بها هر قلية تبايعون لابناء كم"

یعنی اللہ کی قسم! تم نے اس کو ہر قلیت کسرویت بنادیا ہے کہ اپنے بیٹوں کیلئے بیعت لینے لگے ہو۔

(البدایتہ ص۸۹/ج۸۔ فتح الباری ص ۵۷۷/ج۸۔ عمدۃ القاری ص ۱۶۹/الجزء ۱۹ ۔ کامل ابن اثیر ص۵۰۶/ج۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۵۰،۱۵۵۔ وغیرھا من شروح الحدیث والتواریخ)

پھر یہی کچھ ان کے بعد حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کہا اور کیا چنانچہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ

"وقام الحسين بن على فانكر ذالک وفعل مثله ابن عمر و ابن الزبير۔"

(کامل ابن اثیر ص۵۰۷/ج۳)

(ان کے بعد حضرت) حسینؓ کھڑے ہوئے تو انہوں نے (بھی) اس تجویز سے اختلاف کیا اور ایسا ہی (حضرات) ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ نے (بھی) کیا)

پھر جب اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ خود مدینہ منورہ تشریف لائے اور ان حضرات سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو ان سے بھی ان حضرات نے اختلاف ولیعہدی والے طریق کار کے نقطہ پر ہی کیا، یزید کے ذاتی فسق و عدل کا نام اشارۃً بھی کوئی اپنی زبان پر نہ لایا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف لائے انہوں نے فرمایا کہ

"آپ سے پہلے بھی خلفاء ہو گزرے ہیں، ان کے بھی بیٹے تھے، آپ کا بیٹا ان کے بیٹوں سے کوئی بڑھ کر لائق فائق نہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کیلئے وہ رائے قائم نہیں کی تھی جو آپ اپنے بیٹے کیلئے کر رہے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا تھا۔" (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۰)

ان کے بعد حضرت معاویہؓ کی گفتگو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے ہوئی انہوں نے فرمایا کہ

"آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے بیٹے کی ولیعہدی کا معاملہ تنہا آپ کے ہی سپرد کردیں؟ واللہ! ایسا ہرگز نہ ہوگا ہم تو یہ معاملہ مسلمانوں کے مشورہ میں ہی رکھیں گے (کہ وہی اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے مجاز ہیں)" (ایضاً)

ان کے بعد حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ

"اگر آپ بذاتِ خود امارت (و خلافت) سے اکتا چکے ہیں تو ایک طرف ہو جائیے پھر اپنے بیٹے کو آگے لائیے تو ہم اس ہی کی بیعت کر لیں گے۔ ورنہ اگر آپ کی بیعت کے ہوتے ہوئے آپ کے بیٹے کی بھی بیعت کر لیجائے تو آپ ہی بتلائیے کہ پھر ہم آپ دونوں باپ بیٹوں میں سے کس کی سنیں مانیں گے اور کس کی ٹالیں گے؟ اس لئے بیک وقت آپ دونوں باپ بیٹوں کی بیعت نہیں کیجا سکتی (کہ ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے)۔ (ایضاً)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ چاروں حضرات مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ پیچھے حضرت معاویہؓ بھی پہنچے، انہوں نے وہاں پھر ان حضرات سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تو " ان حضرات نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کی بجائے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنا دیا۔ اس موقع پر بھی یہ حضرات، تقرر خلیفہ کے طریق کار کو ہی زیر بحث لائے یزید کے فسق و عدل کا کوئی ذکر مذکور اس دفعہ بھی انہوں نے نہیں کیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ

"آنحضرت ﷺ سے لیکر حضرت عمرؓ تک جن جن طریقوں سے خلیفہ کا تقرر ہوتا رہا ہے ان میں سے جو طریقہ بھی آپ اختیار کریں ہم اسے قبول کرنے کیلئے تیار ہیں (ان کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ ہمیں قبول نہیں)"

حضرت معاویہؓ نے باقی حضرات سے پوچھا "آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے بیک زبان ہو کر فرمایا

"قولنا، قولہ"

کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو (ہمارے نمائندے) ابنؓ زبیر نے کہا ہے۔ (کامل ابن اثیر ص ۵۱۰/ج ۳)

یہ تو بات تھی یزید کیلئے ولیعہدی کی بیعت کے موقع کی۔ ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب موقع آیا اس کیلئے خلافت کی بیعت کا؟ تو اس وقت تک ان حضرات میں سے ایک یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو جنت کو سدھار گئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دو نے اس کی بیعت کر لی تھی۔ باقی صرف دو یعنی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی ابھی تک اپنی رائے پر قائم تھے۔ جب ان سے بھی خلافت یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو بیعت تو انہوں نے اگرچہ اس وقت بھی نہ کی لیکن اپنے اس تخلف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو اب بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ جب اس وقت کے گورنر مدینہ ---- ولید بن عتبہ ---- نے ان دونوں بزرگوں کو بلا کر ان کے سامنے یزید کی بیعت کی بات رکھی تو عام روایات کے مطابق حضرت حسینؓ نے تو یہ فرمایا کہ

"مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتا اور پھر تم بھی تو میری اس خفیہ بیعت کو کافی نہ سمجھو گے۔ بلکہ علانیہ کا بھی مطالبہ کرو گے اس لئے جب تم اور لوگوں کو بیعت کیلئے بلاؤ تو ہمیں بھی بلا بھیجنا تا کہ معاملہ ایک ہی دفعہ میں نمٹ جائے۔"

رہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ؟ تو وہ ایک دن کی مہلت لیکر راتوں رات مکہ مکرمہ نکل گئے؟ اس کے سوا کچھ اور انہوں نے بھی نہ کہا نہ کیا۔

(طبری ۲۵۱/۴۔ البدایۃ ص ۱۴۷/ج ۸۔ کامل ابن اثیر ص ۱۵، ۱۶/ج ۴۔ الاخبار الطوال ص ۲۲۶)

لیکن حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ گورنر مدینہ کیطرف سے طلب بیعت کے جواب میں دونوں ہی بزرگوں نے یہ فرمایا تھا کہ

"مثلنالا يبايع سراً ولكنا نبايع علی رؤس الناس اذا اصبحنا۔"
(ہم جیسے آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتے لیکن ہم تو بوقت صبح لوگوں کے سامنے (علی الاعلان) بیعت کریں گے)
وہاں سے یہ حضرات اپنے گھروں کو لوٹے، پھر (کچھ اور سوچ کر صبح کا انتظار کئے بغیر) راتوں رات ہی مکہ مکرمہ کیطرف نکل گئے۔ (الاستیعاب علی الاصابہ ص ۳۸۱/ج ۱)

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی نے فسق یزید پر "خارجی فتنہ حصہ دوم" کے نام سے چھ سو اسی صفحات کی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اس میں یزید کو فاسق و فاجر بنانے پر جتنا زور وہ لگا سکتے تھے انہوں نے لگایا ہے بلکہ اس کو اپنی زندگی کا ایک اہم مشن بنایا ہوا ہے لیکن اپنی تمامتر کوشش کے باوجود وہ بھی حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف منسوب کر کے یزید سے متعلق انتہائی بات اس کے سوا اور کچھ نہیں نقل کر سکے کہ گورنر مدینہ کی مجلس سے باہر آ کر ان حضرات نے صرف اتنا فرمایا کہ

"هو يزيد الذی نعرف، والله ماحدث له عزم ولا مروءة"
(یہ وہی یزید ہے جسے ہم پہچانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! نہ اس میں پختگی پیدا ہوئی ہے اور نہ مروت)
(خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۴۷۲ بحوالہ البدایہ ص ۱۶۲/ج ۸)

لیکن سب جانتے ہیں کہ پختگی و مروت پیدا نہ ہونے کا یعنی دنیا کی کسی بھی لغت میں فاسق و فاجر ہونا نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی ان حضرات نے اس لئے فرمائی تھی کہ ان کے مقابلہ میں یزید ابھی گویا بچہ ہی تھا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت اصح قول کے مطابق سن ۱ ہجری میں اور حضرت حسینؓ کی ۴ ہجری میں ہوئی جبکہ یزید کی ولادت میں ۲۲ھ، ۲۵ھ، ۲۶ھ اور ۲۷ ھجری کے اقوال ہیں اور ادھر بیعت خلافت کا واقعہ ۶۰ ہجری کا ہے۔ اس اعتبار سے ۶۰ھ میں حضرت ابن زبیرؓ کی عمر ساٹھ سال حضرت حسینؓ کی چھپن سال بنتی ہے جبکہ یزید تینتیس ۳۳ سے اڑتیس ۳۸ سال کا ٹھہرتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ساٹھ اور چھپن سال کے عمر رسیدہ صحابہ میں جو پختگی اور مروت ہو سکتی ہے۔ وہ تینتیس ۳۳ اور اڑتیس سالہ غیر صحابی نوجوان میں کہاں ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان حضرات کی یہ بات تو بالکل بجا ہے کہ یزید میں اس وقت تک ان حضرات جیسی عمر کی پختگی و مروت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن اس سے ان حضرات کا اس کو فاسق و فاجر کہنا ہرگز لازم نہیں آتا کیونکہ پختگی و مروت کا پیدا نہ ہونا فاسق و فاجر ہونے کو ہرگز ہرگز مستلزم نہیں ہے۔

الغرض یزید کی ولیعہدی اور خلافت سے اختلاف کرنے والے حضرت حسینؓ سمیت چاروں پانچوں ہی صحابہؓ نے اس سلسلے کے اپنے مکالمات و مذاکرات کے کسی بھی مرحلے میں اپنے اس اختلاف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو قرار نہیں دیا بلکہ ولیعہد کی ذات سے ہرگز نہ تھا بلکہ ولیعہدی والے طریق کار سے تھا۔ وہ اعتراض یہ نہ کر رہے تھے کہ باپ اپنے فاسق و فاجر اور نالائق و نا اہل بیٹے کو اپنا جانشین کیوں بنا رہا ہے۔ بلکہ ان کا اعتراض باپ کے بعد مطلقاً بیٹے کی جانشینی پر تھا۔ خواہ بیٹا، فاسق و فاجر ہو یا عادل صالح چنانچہ ان حضرات نے اس موقع پر جس "ہرقلیت" و "کسرویت" کا حوالہ دیا تھا اس میں بھی دستور اپنے صرف بد کردار و بد چلن اور نالائق و نا اہل بیٹوں کو ہی باپوں کے بعد جانشین بنانے کا نہ تھا بلکہ اچھے برے ہر قسم کے بیٹوں کو جانشین بنانے کا تھا۔ اس لئے ان حضرات کا یزید کی ولیعہدی کو "ہرقلیت" و "کسرویت" کہنا ہی بجائے خود اس بات کی کافی اور شافی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت

حسینؓ کا اپنے ساتھیوں سمیت اختلاف، باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کے حوالہ سے تھا، بیٹے کے فسق وعدل کے حوالہ سے ہرگز نہ تھا۔

دوسری بات جس کی وضاحت اس سلسلے میں ضروری ہے یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا تین چار صحابہؓ کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا بلکہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ہمنوا صحابہؓ وتابعینؒ سے تھا۔ کیونکہ ولیعہدی کے جس طریق کار سے حضرت حسینؓ نے اختلاف کیا تھا وہ طریق کار اختیار کیا ہوا یزید کا نہ تھا بلکہ صحابہؓ وتابعینؒ کا اختیار کیا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے ہی اس کی ولیعہدی کی تحریک وتجویز پیش کی تھی اور صحابہؓ وتابعین رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اس کی تائید کی تھی۔ یزید تو نہ اس ولیعہدی کا مدعی تھا اور نہ اس کا اصل محرک ومجوز ہی۔ لہذا اس سے تو حضرت حسینؓ کا یہ اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بلکہ انہی سے ہو سکتا تھا جو اس طریق کار کے محرک ومجوز اور موید ونافذ کنندہ تھے اور وہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ہمنوا سینکڑوں صحابہؓ وتابعین رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے نہ کہ خود یزید، حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا صرف تین چار صحابہؓ کے مدمقابل ان سینکڑوں صحابہؓ وتابعینؒ کا موقف یہ تھا کہ ولیعہدی کا جو طریق کار یزید کیلئے اختیار کیا جا رہا ہے یہ "ہرقلیت" و "کسرویت" ہرگز نہیں ہے کیونکہ "ہرقلیت وکسرویت" تو باپ کے بعد بیٹے کی وہ جانشینی ہے جو محض وراثتہً ہو، بیٹے کی لیاقت وقابلیت سے قطع نظر کر کے ہو، رعایا کے عوام وخواص میں سے کسی کی بھی رائے کا اس میں کوئی دخل عمل نہ ہو، بس باپ کے فیصلے کو ہی رعایا پر ٹھونس دیا گیا ہو۔ جبکہ یہاں معاملہ ایسا نہ تھا۔ یزید کو محض وراثتہً باپ کا جانشین نہ بنایا جا رہا تھا۔ اس کا تو نہ باپ نے کبھی سوچا تھا اور نہ بیٹے کو ہی اس کا خیال آیا تھا بلکہ رعایا میں سے ہی بعض صحابہؓ کی تحریک وتجویز پر اس کی جانشینی کی بات چلی تھی، پھر صرف اس تحریک وتجویز پر ہی جانشینی کا فیصلہ نہ کر دیا گیا تھا بلکہ پورے عالم اسلام سے اس بارے میں رائے طلب کی گئی تھی، چار یا پانچ صحابہؓ کے علاوہ ہر طرف سے تائید حاصل ہو جانے کے بعد اس کا فیصلہ کیا گیا تھا، نیز یہاں رعایا پر اس کی مرضی کے خلاف باپ کا اپنے فیصلے کو ٹھونسنا تو درکنار یہاں تو خود باپ نے ہی اپنی رعایا کی تحریک وتجویز اور تائید کے سامنے چھ رکنی مجلس والی اپنی رائے چھوڑ دی تھی۔ رہی بات اہلیت وقابلیت کی؟ تو یزید فی الواقع ولیعہدی کے اہل وقابل تھا یا نہیں★ لیکن اس موقع پر ملحوظ اس چیز کو بھی ضرور رکھا گیا تھا۔ اہلیت وقابلیت کو بالکل ہی نظرانداز کر کے محض خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اس کو ولیعہد نہ بنایا گیا تھا۔

★ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاہائے ایشیاء کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیم میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۸۸ ج ۱ صفحہ ۲۷۱)

مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، آنحضرت ﷺ کی ایک بشارت کا مصداق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لیکر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔" (سیرۃ النبی ﷺ ص ۳۸۶ ج ۳ - دار الاشاعت کراچی)

چنانچہ حضرت معاویہؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں یہ دعا فرمائی کہ

"اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولیعہد بنایا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے تو اس کیلئے اس ولایت کو پورا فرما دے، اور اگر میں نے اس کو اس لئے ولیعہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس ولایت کو اس کیلئے پورا نہ فرما۔" (البدایۃ ص ۸۰/ج ۸)

دوسرے مؤرخین نے حضرت معاویہؓ کی یہ دعا اس طرح نقل کی ہے۔

"اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت دیکھ کر ولیعہد بنایا ہے تو اس کو اس مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اس کے لئے امید کی ہے اور اس کی مدد (بھی) فرما اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے اور فی الواقع وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے تو اس کو اس منصب تک پہنچنے سے پہلے ہی موت دیدے۔" (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۹ - نور محمد کراچی)

صحابہ کرامؓ کے ان دونوں مؤقفوں میں سے کونسا موقف، صحیح یا اصح تھا؟ اس وقت ہماری بحث اس سے نہیں، یہاں تو ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا بلکہ صحابہؓ و تابعین رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور اختلاف بھی یزید کی ذات اور اس کے فسق و عدل سے متعلق نہ تھا بلکہ تقرر خلیفہ کے طریق کار سے متعلق تھا۔

تیسری بات یہاں یہ ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ حضرت حسینؓ کا ولیعہدی والے اس طریقے سے اختلاف بھی اس کے مطلقاً جواز و عدم جواز کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ مسلمانوں میں جمل و صفین کیطرح پھر سے تلواریں بے نیام ہو جانے جیسے خدشات و خطرات کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ ان کے فی الواقع موجود ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر تھا۔ یعنی ان کے اختلاف کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اس طریقہ سے خلیفہ کا تقرر بالکل ہی ناجائز سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک وہ خدشات و خطرات ابھی تک فی الواقع موجود ہی نہ تھے۔ جن کے پیش نظر یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس وقت کے حالات سے متعلق ان کا تجزیہ یہ تھا کہ وہ پوری طرح پر امن اور نبوی یا صدیقی یا فاروقی طریقہ انتخاب کیلئے بالکل سازگار ہیں، خلیفہ کا تقرر اگر ان طریقوں میں سے کسی طریقہ سے کیا جائے تو مسلمانوں میں جمل و صفین جیسی کسی خانہ جنگی و خون ریزی کا کوئی خطرہ، خدشہ نہیں ہے، ورنہ ان خطرات و خدشات کی فی الواقع موجودگی میں حضرت معاویہؓ اور اس دور کے دیگر تمام صحابہؓ و تابعینؒ کی طرح وہ بھی تقرر خلیفہ کے اس طریقہ کو بالکل جائز ہی جانتے تھے۔ یہ ایسے ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرات صاحبین (رحمۃ اللہ علیہ) کے درمیان صابئی فرقہ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، ان کا یہ اختلاف در حقیقت دلیل اور اصل حکم کا اختلاف نہیں بلکہ صابئی فرقہ کے مذہب کی تحقیق کا اختلاف ہے، امام صاحب کو اس کا اہل کتاب ہونا متحقق ہوا تو وہ جواز کے اور صاحبین کو اس کا غیر اہل کتاب ہونا متحقق ہوا تو وہ عدم جواز کے قائل ہو گئے۔ ورنہ اصل حکم اور اس کی دلیل میں سب کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز اور غیر اہل کتاب کفار و مشرکین کی عورتوں سے ناجائز ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی صحابہؓ کے درمیان یہ اختلاف در حقیقت ولیعہدی کے اصل حکم اور اس کی دلیل میں نہ تھا بلکہ حالات کے پر امن یا پر خطر ہونے کی تحقیق میں تھا۔ عام صحابہؓ کو حالات پر خطر معلوم ہوئے۔ لہذا ان کی رائے انعقاد خلافت کیلئے ولیعہدی والا طریقہ اختیار کرنے کی ہوئی، حضرت حسینؓ اور ان کے ہمنوا تین چار صحابہؓ

کو حالات پر امن محسوس ہوئے ان کی رائے انعقاد خلافت کیلئے نبوی یا صدیقی یا فاروقی طریقہ کو اختیار کرنے کی ہوئی۔ ورنہ اصل حکم میں سب کا اتفاق تھا کہ پر امن حالات میں خلافت کا انعقاد، نبوی یا صدیقی یا فاروقی طریقہ سے ہی ہونا چاہیئے لیکن حالات اگر پر خطر ہوں تو پھر ولیعہدی والا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے جب یہ طریقے پیش کئے تھے تو حضرت معاویہؓ نے ان کا، انکار نہیں کیا تھا بلکہ نبوی طریقہ پر تو فرمایا کہ آج تم میں ابو بکرؓ جیسا کون ہے کہ جس پر سب کا اتفاق ہو جائے؟ اور فاروقی طریقہ تو وہ خود اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہی تھے صحابہ کی تحریک و تجویز سے وہ ولی عہدی کی طرف آئے تھے۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کو بھی کربلا پہنچ کر حالات کا پُرخطر ہونا متحقق ہو گیا اور جن خطرات و خدشات کے پیش نظر ولیعہدی والا طریقہ اختیار کیا گیا تھا، اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا تو پھر وہ، یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر فوراً راضی ہو گئے تھے اگر وہ ولیعہدی کو ہر حالت میں بالکل ہی ناجائز سمجھتے ہوتے تو ناممکن تھا کہ وہ اب اس کو قبول کرنے پر راضی ہو جاتے حالانکہ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ وہ کربلا پہنچ کر یزید کے پاس جانے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یعنی بیعت کرنے پر صرف راضی ہی نہیں★ ہو گئے تھے بلکہ اس پر عمل درآمد کرنے کیلئے دمشق روانہ ہو گئے تھے۔

★ حضرت حسینؓ حتیٰ اضع یدہ فی یدہ والی تیسری شرط کا آج کل کے بعض حضرات، انکار کرتے ہیں لیکن یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ اس کا انکار کرنا اپنی ہی ثقاہت ہو بٹا لگانا ہے۔ تاریخ و رجال وغیرہ کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو گی جس میں واقعہ کربلا کا ذکر آیا ہو اور اس میں یہ تیسری شرط ذکر نہ کی گئی ہو ورنہ جہاں بھی یہ واقعہ بیان ہوا ہے اکثر و بیشتر وہاں یہ شرط بھی ضرور مذکور ہوئی ہے مثلاً دیکھئے تہذیب تاریخ دمشق ص ۳۳۸/ج ۴۔ کامل ابن اثیر ص ۵۴/ج ۴۔ البدایہ ص ۱۷۰/ج ۸۔ الاصابہ ص ۳۳۴/ج ۱۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۴۷۱/ج ۲۷۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۵۸۔ النبراس شرح، شرح عقائد ص ۵۴۱ (اس کے تو الفاظ ہی "احملونی الی یزید لا بالعیہ۔ہیں) وغیرہ حتیٰ کہ اس کا انکار کرنے کی جرات تو شیعہ بھی نہیں کر سکے وہ بھی اپنی کتابوں میں اس کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ مثلاً دیکھئے تلخیص الشافی" ص ۴۷۱ بحوالہ بے نظیر والاجواب مناظرہ ص ۲۱۶ ---- یہ حضرات، ایک عقبہ بن سمعان کی روایت کی بنیاد پر اس کا انکار کرتے ہیں لیکن عقبہ کی اس بات کو خود شیعہ بھی رد کر چکے ہیں دیکھو روح اسلام ترجمہ اسپرٹ آف اسلام" از جسٹس امیر علی شیعہ۔ ص ۴۵۸ طبع پنجم لاہور۔ اس شرط کا انکار کرنے والے حضرات کو اس کی مجبوری اس لئے پیش آئی کہ وہ، حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد اپنی طرف سے یزید کے فسق و فجور کو قرار دے بیٹھے تھے، اب اگر وہ اس شرط کو مانتے تھے تو ان پر اعتراض آتا تھا کہ "حضرت حسینؓ کا یہ خروج اگر یزید کے فسق و فجور کی ہی بنیاد پر تھا تو پھر کربلا پہنچ کر وہ اسی فاسق و فاجر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر راضی کیوں اور کیسے ہو گئے تھے؟ کیا یہاں پہنچ کر یزید کا فسق و فجور دم کے دم میں ختم ہو گیا اور وہ پلک جھپکنے میں عادل و صالح بن گیا تھا یا حضرت حسینؓ نے ہی اس کے اس فسق و فجور سے سمجھوتا کر لیا تھا جس کی بنیاد پر وہ یہ خروج کر کے آئے تھے؟"

اس اعتراض کا کوئی معقول جواب چونکہ ان کے پاس نہ تھا اس لئے انہوں نے سرے سے اس شرط کا ہی انکار کر دیا کہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔" لیکن ہم بتا آئے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے اس خروج کی فسق و فجور یزید والی یہ بنیاد ہی من گھڑت ہے خود حضرت حسینؓ سے کہیں بھی کسی معتبر سند سے منقول نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی اس تیسری شرط کے انکار کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ کوئی مجبوری۔

ان کا یہ راضی ہونا کسی خوف و لالچ یا یزیدی فسق و فجور سے کسی قسم کے سمجھوتے کی وجہ سے ہرگز نہ تھا اور نہ یہ اپنے سابقہ موقف سے رجوع ہی تھا بلکہ اپنے سابقہ موقف ہی کے مطابق عمل تھا۔ پہلے بھی ان کا موقف ہی تھا کہ خدشات و خطرات اگر وہی ہوں جن کے حوالہ سے ولیعہدی والا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے تو خلیفہ کا تقرر اس طریقہ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب تک جو اس کو قبول نہ کیا تھا تو صرف اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک ان خدشات و خطرات کا فی الواقع موجود ہونا ہی ابھی تک متحقق نہ ہوا تھا، کربلا پہنچ کر جب ان کے فی الواقع موجود ہونے کا مشاہدہ ہو گیا تو اس کو فوراً قبول کر لیا۔ غرضیکہ صحابہؓ سے حضرت حسینؓ کا یہ اختلاف واقعی نہ تھا بلکہ محض واقعاتی تھا اور پھر وہ بھی مستمر نہ تھا بلکہ آخر میں اتفاق ہی بن گیا تھا۔

اس صورت میں حضرت حسینؓ کا ولیعہدی کے مسئلہ میں اس دور کے صحابہ سے اختلاف و اتفاق اور ان کا کربلائی خروج، اول سے آخر تک بالکل صحیح اور ایک رہتا ہے، نہ کہیں اس کو غلط کہنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کہیں سابقہ موقف سے انکے رجوع کا ہی قائل ہونا پڑتا ہے اور نہ ان پر اس قسم کا کوئی اعتراض ہی وارد ہوتا ہے کہ یزید اگر فاسق و فاجر تھا اور اس کی ولیعہدی سے اختلاف، بیعت سے تخلف اور پھر یہ کربلائی خروج! گر انہوں نے اس کے اس فسق و فجور کی بنیاد پر ہی کیا تھا تو پھر کربلا پہنچ کر اس فاسق و فاجر کے ہاتھ دینے پر راضی کیوں ہو گئے تھے؟ اور اگر وہ ایسا نہ تھا، اس کی ولیعہدی اور بیعت، ناجائز نہ تھی تو پھر انہوں نے صحابہؓ سے یہ اختلاف اور اس کے خلاف یہ خروج کیوں کیا تھا؟ جبکہ ان کے اس اختلاف کو واقعی ٹھہرانے اور تخلف و خروج کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو قرار دینے میں ان کا دامن اقدس اس قسم کے اعتراضات سے پاک صاف ہرگز نہیں رہ سکتا، کوئی نہ کوئی اعتراض، انپر یا ان کے مدمقابل صحابہؓ و تابعینؒ پر ضرور ہی آ کر رہتا ہے۔

چوتھی بات اس سلسلے میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی خروج کی صحت، یزید کے فسق و فجور پر موقوف نہیں ہے کہ اگر وہ فاسق و فاجر ہو تو ان کا یہ خروج، صحیح ٹھہرے اور اگر وہ عادل و صالح ثابت ہو جائے تو ان کا یہ خروج، غلط اور بغاوت قرار پائے۔ بلکہ اس کی صحت، اصولِ اجتہاد اور قواعد عدالت و بغاوت اور ضابطہ انعقاد خلافت پر مبنی ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت حسینؓ کے اس خروج کی صحت، اصولی، قانونی اور مستقل ہے محض تقابلی، اضافی اور غیر مستقل نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے "شہادت امام حسینؓ و کردار یزید" میں اس کا صحیح ہونا اصول و قواعد کی رو سے ہی ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یزید کو ضرور بالضرور فاسق و فاجر ہی بنانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ فاسق و فاجر ثابت ہو تب بھی حضرت حسینؓ کا یہ خروج اپنی جگہ بالکل صحیح رہتا ہے اور اگر وہ صالح و عادل ثابت ہو جائے تب بھی یہ خروج اپنی جگہ بدستور صحیح ہی رہتا ہے۔ یزید کے فسق و عدل کا اس کی صحت پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہمارے دور کے اپنے آپ کو اہل السنۃ بلکہ ترجمانِ اہل السنۃ کہلوانے والے جن لوگوں نے یزید کو فاسق و فاجر اور زانی و شرابی وغیرہ وغیرہ ثابت کرنا بلکہ زبردستی بنانا اپنی زندگی کا ایک مشن بنا رکھا ہے، جو ہر کسی سے اس سلسلے کے اپنے ہر اتفاق و اختلاف کی آخری تان یزید کے فسق و فجور کے اقرار و اعلان پر ہی جا کے توڑتے ہیں، جن کی اس سلسلے کی آخری بات ہی یہ ہوتی ہے کہ "یزید کے فاسق و فاجر ہونے کا اقرار و اعلان کر دیا جائے تو ہمارا

اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔" ان بزعم خود سنیت کے علمبرداروں کی مجبوری یہی ہے کہ انہوں نے حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی صحت کو اصولِ اجتہاد اور قواعد عدالت و بغاوت پر مبنی کرنے کی بجائے یزید کے فسق و فجور پر مبنی کر رکھا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس کا صحیح ہونا تبھی ثابت ہو سکتا اور ثابت رہ سکتا ہے جبکہ یزید کا فاسق و فاجر ہونا اور رہنا ثابت کیا جائے بلکہ اس صورت میں اس کو جتنا بڑا فاسق و فاجر بنایا جائیگا حضرت حسینؓ کا یہ خروج اتنا ہی زیادہ صحیح بنے گا۔ اس لئے یہ علمبرداران مسلک اہل السنۃ اپنا ایڑی چوٹی کا سارا زور یزید کو فاسق و فاجر بنانے اور بنائے رکھنے بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو بڑھانے چڑھانے پر لگاتے رہتے ہیں تاکہ اس طرح وہ حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کو صحیح ثابت کرا اور رکھ سکیں۔ کیونکہ اگر وہ فاسق و فاجر نہ بنے یا نہ رہے تو پھر ان لوگوں کی یہ تقابلی منطق حضرت حسینؓ کے اس خروج کو غلط اور بغاوت بناتی ہے۔ لہذا یہ اپنی اس سبائیانہ تقابلی منطق کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ یزید کو ہر ممکن فاسق و فاجر ہی بنائیں اور بنائے رکھیں بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو بڑھاتے چڑھاتے رہیں۔ حالانکہ حضرت حسینؓ کے اس خروج کی اس تقابلی تصحیح میں کئی خرابیاں ہیں۔

الف: سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ اس میں حضرت حسینؓ کی توہین و تنقیص ہے کیونکہ اس میں یزید کو ان کا مدمقابل بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کو فاسق و فاجر کی بجائے خواہ کتنا عادل و صالح ہی فرض کیوں نہ کر لیا جائے وہ تب بھی حضرت حسینؓ کے مدمقابل ہونا تو درکنار ان کی تو خاکِ پا کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس کو حضرت حسینؓ کے مدمقابل لانا ہی حضرت حسینؓ کی کسرِ شان ہے خواہ اس کے بعد اس کو فاسق و فاجر بنا کر حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کو صحیح ہی کیوں نہ بنا دیا جائے، کیونکہ حضرت حسینؓ صحابی ہیں جبکہ یزید، صحابی نہیں ہے اور صحابی کے مقابلے میں کسی صحابی کو ہی لایا جا سکتا ہے کسی غیر صحابی کی خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ اور کتنا ہی عادل و صالح کیوں نہ ہو ہرگز نہیں لایا جا سکتا۔ اس پر کسی قدر تفصیلی گفتگو ہم اپنی کتاب "سبائی فتنہ حصہ اول" میں (از ص ۲۹۱ تا ص ۲۹۷) کر آئے ہیں وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ب۔ اور دوسری یہ کہ اس سے اصل مسئلہ بھی حل نہیں ہوتا یعنی یزید کو فاسق و فاجر فرض کر لینے کے باوجود بھی حضرت حسینؓ کا کربلائی خروج، صحیح نہیں بن سکتا۔ کیونکہ عقیدہ اہلِ سنت کی رو سے فاسق و فاجر اور ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف بھی خروج کرنا اور شرع کے مطابق ان کے احکام میں ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ امام طحاوی اہلِ سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ولانری الخروج علی ائمتنا وولاۃ امورنا وان جاروا ولاندعوا علیھم ولاننزع یدامن طاعتھم ونری طاعتھم من طاعۃ اللہ عزوجل فریضۃ مالم یامروالجمعصیۃ وندعوالھم بالصلاح والمعافاۃ۔

یعنی ہم اپنے اماموں اور حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم ہی کرتے ہوں، نہ ان کے حق میں بددعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے دست کش ہوتے ہیں۔ ہم ان کی اطاعت کو اللہ عزوجل کی اطاعت کے مطابق فرض خیال کرتے ہیں جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں اور ہم ان کی صلاحیت و عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ (عقیدۃ الطحاوی مترجم ص ۵۷، ۵۸۔ مطبوعہ مدرستہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

علامہ تفتازانی نے بھی شرح عقائد میں اہل سنت کا یہی عقیدہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ولایرون الخروج علیھم"

یعنی اہل سنت والجماعت اپنے ائمہ کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ (شرح عقائد مع شرح النبراس ص ۵۳۹)

امام نووی نے بحوالہ قاضی عیاض، امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر وغیرھم نے بھی اہل السنۃ کے جمہور فقہاء و محدثین اور متکلمین کا یہی عقیدہ و مذہب بتلایا ہے۔★ بلکہ اپنے ائمہ کے خلاف خروج بالسیف کے نظریے کو رواۃ حدیث پر جرح کے طور پر ذکر کیا گیا ہے دیکھو مثلاً تہذیب التہذیب ص ۲۸۸/ج ۲ ترجمہ حسن بن صالح۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، زمانہ فتنہ کے نبوی احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پہلا (حکم) یہ کہ جب (تم پر) کوئی شخص غیر مستحق خلافت مسلط ہو جائے تو ان احکام میں جو شرع کے موافق ہوں تم پر اس کی اطاعت واجب ہے، نہ ان احکام میں جو شرع کے مخالف ہوں۔"

"دوسرا (حکم) یہ کہ اس سے بغاوت نہ کی جائے اور نہ اس سے جنگ کی جائے، ہاں اگر اس سے کفر صریح ظاہر ہو (تو اس حالت میں بغاوت اور لڑائی درست ہے) یہ مضمون متواتر بالمعنی ہے۔"

آگے وہ حدیثیں نقل کر کے تیسرا حکم، یہ بیان کیا ہے کہ

"جب کسی شخص کی بیعت منعقد ہو گئی اور اس کا تسلط قرار پذیر ہوا اگر دوسرا شخص اس پر خروج کرے اور اس سے لڑے تو اس کو قتل کرنا چاہیئے، وہ خروج کرنے والا خواہ پہلے شخص سے افضل ہو یا اس کے برابر ہو یا اس

★ "وقال جماهیر اهل السنة من الفقهاء والمحدثین و المتکلمین لاینعزل بالفسق والظلم و تعطیل الحقوق ولایخلع ولایجوز الخروج علیہ بذالک بل یجب وعظہ وتخویفہ، للاحادیث الواردة فی ذالک" (نووی شرح مسلم ص۱۲۵/ ج۲) حافظ ابن تیمیہ اس سلسلہ کی احادیث کے حوالہ سے رقمطراز ہیں: "ولهذا کان مذهب اهل الحدیث ترک الخروج بالقتال علی الملوک البغاة والصبر علی ظلمهم الی ان یستریح براویستراح من فاجر" (فتاوی ابن تیمیہ ص ۴۴۴/ ج۴)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "ولهذا استقر اهل السنة علی ترک القتال فی الفتنة للاحادیث الصحیحة الثابتة عن النبی صلی الله علیہ وسلم وصاروا یذکرون هذا فی عقائدهم ویامرون بالصبر علی جورالائمة وترک قتالهم۔" (منهاج السنة ص۲۴۱/ ج۲)

حافظ ابن حجر، حکام و امراء کی اطاعت و فرمانبرداری سے متعلق صحیح بخاری میں مروی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قال ابن بطال: فی الحدیث حجة فی ترک الخروج علی السلطان ولو جار، وقداجمع الفقهاء علی وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معہ وان طاعتہ خیر من الخروج علیہ لما فی ذالک من حقن الدماء وتسکین الدهماء وحجتهم هذاالخبر وغیرہ ممایساعدہ ولم یستثنوا من ذالک الااذاوقع من السلطان الکفرالصریح فلاتجوز طاعتہ فی ذالک بل تجب مجاهدتہ لمن قدرعلیها کما فی الحدیث الذی بعدہ۔" (فتح الباری ص ۷/ ج۱۳)

آگے چل کر اسی سلسلہ میں اس امام سے متعلق جو پہلے عادل تھا پھر جائر ہو گیا، حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فان احادث جورابعد ان کان عدلا فاختلفوا فی جواز الخروج علیہ، والصحیح المنع الاان یکفر فیجب الخروج علیہ۔" (ایضا ص۸/ ج۱۳)۔

سے مفضول ہو (بہر حال بعد انعقاد بیعت، سب مسلمانوں کو اس باغی کا دفع کرنا واجب ہو گا)" (ازالۃ الخفا مترجم از ص ۵۳۱ تا ۵۳۶/ج ۱)

خوب اچھی طرح واضح رہنا چاہیئے کہ ہم ریحانۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور واجب القتل نہ کہتے ہیں نہ مانتے ہیں اور نہ انکو یہ کچھ بنانے، بتانے کے لئے ہم نے یہ حکم یہاں نقل ہی کیا ہے۔ ایسے عقیدے اور نظریے سے ہم سو سو بار اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ بلکہ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ، حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کو یزید کے فسق و فجور کی بنیاد پر صحیح بنانا چاہتے ہیں وہ اگر اس کو فاسق و فاجر بنا بھی لیں تو اس کی بنیاد پر ازروئے عقیدہ اہلِ سنت، حضرت حسینؓ کے اس خروج کو صحیح نہیں بنا سکتے، کیونکہ امیر و خلیفہ اگر فاسق و فاجر اور ظالم و جائر بھی ہو تو عقیدہ اہل سنت میں اس کے خلاف بھی خروج کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس کو صحیح بنانے کے لئے یزید کو ضرور بالضرور فاسق و فاجر ہی بنانے پر اپنی ساری توانائی خرچ کرتے رہنا اور اسی کو عین مسلک اہلِ سنت سمجھنا اور سمجھانا محض فضول ہے، بلکہ اس کو اصولِ اجتہاد اور قواعدِ عدالت و بغاوت نیز ضابطہ انعقادِ خلافت کے حوالہ سے ہی صحیح بنایا جا سکتا ہے جیسے کہ حضرت نانوتوی نے بنایا ہے، لہذا اسی حوالہ سے اس کو صحیح بنانا چاہیئے۔

ج۔ تیسری خرابی اس تقابلی و اضافی تصحیح میں یہ ہے کہ اس طرح حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی صحت، اتفاقی نہیں رہتی بلکہ اختلافی ہو جاتی ہے، کیونکہ یزید کے جس فسق و فجور پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے خود اس کا وہ فسق و فجور ہی اتفاقی نہیں بلکہ اختلافی ہے علماءِ اہل السنۃ کی ایک جماعت اگر اس کو فاسق و فاجر مانتی ہے تو اہل السنۃ کے ہی علماء کی دوسری جماعت اس کو فاسق و فاجر نہیں بھی مانتی۔

اس کے فسق و فجور کو اتفاقی بتانا محض غلط اور سراسر خلاف واقعہ ہے۔ لہذا اس صورت میں ان کا یہ خروج صرف ان علماء اہلِ سنت کے نزدیک ہی صحیح بن سکے گا جو یزید کو فاسق و فاجر مانتے ہیں، لیکن جو علماء اہل السنۃ اس کو فاسق و فاجر نہیں مانتے، ان کے نزدیک وہ صحیح نہیں بن سکے گا۔ بخلاف حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اصولی طریقہِ تصحیح کے کہ اس میں حضرت حسینؓ کا کربلائی خروج جہاں صحیح بن جاتا ہے وہاں اس کی صحت اتفاقی اور اصولی بھی رہتی ہے۔

د۔ چوتھی خرابی اس میں یہ ہے کہ یہ تقابلی طریقہ درحقیقت ان لوگوں کا طریقہ ہے جو حضرت حسینؓ کے اس خروج کو غلط اور بغاوت کہتے ہیں۔ وہی پہلے یزید کو حضرت حسینؓ کے مدمقابل لاتے اور پھر اس کو عادل و صالح کہہ کر ان کے خروج کو غلط اور بغاوت بناتے ہیں۔ بعینہٖ یہی تقابلی طریقہ ان لوگوں نے بھی اختیار کر رکھا ہے جو ان اصحاب تغلیط کے بالمقابل حضرت حسینؓ کے اس خروج کی تصحیح، یزید کے فسق و فجور کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ یہ بھی پہلے یزید کو حضرت حسینؓ کے مدمقابل لاتے اور پھر اس کو فاسق و فاجر کہہ کر ان کے خروج کو صحیح بناتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اصحابِ تصحیح اور وہ اصحاب تغلیط دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ٹھہرتے ہیں صرف رخ ایک کا اگر مثلاً مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی طرف اور بس۔ حالانکہ یہ اصحاب تصحیح ان اصحاب تغلیط کو عباسی، یزیدی، خارجی اور ناصبی جیسے القاب سے نوازتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی تردید، اہل السنۃ کے اصولی و اصلی طریقہ سے کرنے کی بجائے خود انھی کے خارجیانہ و ناصبیانہ تقابلی طریقہ کے شعوری یا غیر شعوری طور پر شکار ہو گئے ہیں۔ (بقیہ ص ۴۴ پر)